ہجرت اور جہاد

از ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیرالدین
(صدر شعبہ تقابل ادیان وثقافت اسلامی - جامعہ سندھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے معانی میں ایک خصوصیت پیدا ہو گئی اور ان کو ایک تقدس حاصل ہو گیا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔ لیکن جب آپ ہجرت کر کے یثرب تشریف لے گئے تو اسے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر کہا جانے لگا۔ پھر کثرتِ استعمال اور اختصار کی بنا پر صرف مدینہ مشہور ہوا۔ حالانکہ مدینہ کے معنی تو مطلقاً شہر کے ہیں، خواہ وہ کوئی شہر ہو، لیکن اب لفظ مدینہ کا اطلاق اس خاص شہر پر ہوتا ہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور شہر کو مدینہ نہیں کہا جاتا ہے اور اس کو جو تقدیس حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔

اسی طرح لفظِ ہجرت اور جہاد بھی ہے۔ ہجرت اور جہاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ ان دونوں الفاظ کے معانی میں آپ کی سیرت کے تعلق سے کیا خصوصیت پیدا ہو گئی ہے اور آپ کی سیرت ہی کے تعلق سے ان الفاظ نے کس قدر تقدس حاصل کر لیا ہے۔

ہجرت

پہلے تو ہجرت کا لفظ دیکھیں کہ لغت میں تو اس کے معنی ہیں چھوڑ دینا یا جدا ہونا، اس لیے ترکِ وطن کو بھی ہجرت کہتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے تعلق کی بنا پر اب ایک مخصوص واقعہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ منتقل ہونے کو ہجرت کہتے ہیں اور اسی واقعہ پر اسلامی کیلنڈر کی بنیاد بھی رکھی گئی ہے۔ آپ کی سیرت کے تعلق سے اس لفظ کا یہ مفہوم ذہن میں آتا ہے کہ جب وطن میں اپنے دین اور عقیدہ کے مطابق زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے تو اپنے وطن کو خیر باد کہہ دینا ہجرت ہے۔ ہر ترکِ وطن ہجرت نہیں بلکہ وطن اس لیے چھوڑنا کہ دوسری جگہ جا کر اپنے دین اور عقیدے کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اس کا مقصد مالی منفعت یا دنیوی فائدہ نہ ہو، بلکہ دینداری کی زندگی گزارنا مقصود ہو۔ ترکِ وطن تو بہت لوگ کرتے ہیں لیکن ان کے اس عمل کو محض اس بنا پر ہجرت نہیں کہا جا سکتا کہ بظاہر ترکِ وطن کے لحاظ سے اس کو ہجرت کے عمل سے مشابہت ہے۔ کیونکہ دو عمل بظاہر اگرچہ یکساں ہوں لیکن: نیت اور قصد کے اعتبار سے ان کے اثرات اور احکام مختلف ہوتے ہیں۔ قابیل اور ہابیل دونوں بھائیوں نے بظاہر قربانی ہی دی تھی۔ لیکن نیتوں کے فرق کی وجہ سے ایک کی قربانی تو مقبول ہوئی لیکن دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔ اور جب قبول نہ ہوئی تو حسد کے مارے قابیل نے اپنے بھائی کو مار ڈالا اور ایک ایسے گناہ کی ایجاد کا مرتکب ہوا کہ قیامت تک روئے زمین پر جتنے قتل بھی ہوں گے سب کا ایک حصہ وبال اُس کی گردن پر ہوگا۔ دوسری طرف اس کے بھائی کا کردار تھا جس نے بھائی کی طرف دست درازی کرنے سے انکار کر دیا۔ قربانی کا عمل بظاہر یکسان تھا لیکن نیت اور قصد کے فرق کی وجہ سے اثرات مختلف ہوئے اور اُن کے کردار میں اختلاف ہوا۔

بعینہٖ یہی حال ہجرت کا ہے کہ دین کے لیے گھر بار چھوڑ دینے والوں کا کردار اُن سے مختلف ہوگا جو دنیا کمانے کے لیے ترکِ وطن کریں۔ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے کے اس کردار کو چشمِ تصور سے دیکھیے کہ جن لوگوں نے تیرہ سال تک ہر قسم کے ظلم و ستم کیے۔ اور اب جان کے درپے ہو کر ختم کر دینے کے لیے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، جبکہ خود ان ظالموں ہی کا مال بھی اس گھر میں

بطورِ امانت رکھا ہوا تھا۔ اِس حالت میں اپنے گھر سے نکلنے والے مہاجر کے لیے بہت ہی نادر موقع تھا کہ امانت کا مال ساتھ لے جائے، کسی کو اس پر تعجب بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ دُنیا میں عام سطح پر دشمنوں کا مال ہضم کر لینا ہی عین دانشمندی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ جانے والے نے رخصت ہوتے وقت سب سے پہلے اس بات کا اہتمام کیا کہ امانت کا مال اُن کے مالکوں کے پاس پہنچ جائے۔ کیا دُنیا کی غرض سے ہجرت کرنے والے کا کردار ایسا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے۔

پھر دیکھیے کہ ابتدا میں حبشہ کی طرف جن لوگوں نے ہجرت کی تھی، اور مکّہ کے لوگ ان کو واپس لینے کے لیے نجاشی کے دربار میں پہنچے اور نجاشی کے ذہن میں غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں ان مسلمانوں سے ان کا عقیدہ دریافت کیا تو ان لوگوں نے ایسے نازک موقع پر نتائج کی پروا کیے بغیر نجاشی کے سامنے اپنے عقیدے کا صاف صاف اعلان کیا کہ "وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اُس کی طرف سے ایک رُوح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا تھا"۔ یہ موقع ایسا تھا کہ اگر نجاشی ان مسلمانوں سے ناراض ہو جاتا تو ان سب مسلمانوں کو اپنے ہاں سے نکال دیتا اور ان ظالموں کے حوالے کر دیتا جو ان مسلمانوں کے تعاقب میں آئے تھے۔ لیکن چونکہ ان ہجرت کرنے والوں کا مقصد جان بچانا یا مالی فائدہ حاصل کرنا نہیں تھا، بلکہ صرف اپنے دین کی حفاظت کرنا تھا، اس لیے انھوں نے وہی بات کہہ دی جو ان کے دین نے انھیں سکھائی تھی۔ اس کے برخلاف اگر اُن کا مقصد دُنیاوی مقصد حاصل کرنا ہوتا تو یقیناً ان کا رویہ اس سے مختلف ہوتا۔

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں مہاجرین کی حالت بہت خستہ تھی، اس لیے آپ نے ہر مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا۔ اس تعلق کو اسلامی تاریخ میں عقدِ مواخاۃ یعنی بھائی چارے کا عقد کہتے ہیں۔ یہ بھی دُنیا کا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ جس مہاجر کو جس انصاری کے ساتھ منسلک کیا گیا وہ ایک دوسرے کے لیے حقیقی بھائی کی طرح ہو گیا۔ اور انصار نے مہاجرین کی جو مدد کی وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ انصار نے اپنے مال کے دو حصے کیے اور اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ اس میں جو تمہیں پسند ہو لے لو۔ حد یہ ہے کہ بعض نے یہ پیش کش بھی کی کہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دیں تاکہ مہاجر بھائی اُس سے نکاح کر لے۔ حضرت

عبدالرحمن بن عوف کے سامنے یہی ہوا لیکن انہوں نے اپنے انصاری بھائی کا شکریہ ادا کیا اور کہا تمہارا مال اور تمہاری بیوی تمہیں مبارک ہو۔ تم تو مجھ کو بازار کا راستہ بتاؤ۔ میں کوئی کاروبار کروں گا — ! مہاجرین اور انصار کے تعلقات اور اُن دونوں کے اعلیٰ کردار اور ایثار کے متعلق تاریخ نے بہت سے واقعات محفوظ رکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کرنے والوں کا ترکِ وطن کسی دنیاوی فائدہ کے لیے نہیں تھا، اور نہ انصار کا ایثار کسی دُنیاوی غرض پر مبنی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرکے ہجرت کا مفہوم ہی بدل دیا۔ اب ہجرت کا لفظ ایک اصطلاح بن گیا ہے جس کا مفہوم محض ترکِ وطن نہیں، بلکہ اس کے معنی کچھ اور ہو گئے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔[1]

(یعنی ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے نیت کی۔ چنانچہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو گی تو اُس کی ہجرت اللہ اور اُس کے رسول ہی کی طرف شمار ہو گی، اور جس کی ہجرت دُنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار ہو گی جس کے لیے ہجرت کی ہو)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ:۔ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَاجَرَ مَا نَهَى اللهُ عَنْهُ (مہاجر وہ ہے جو اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے)۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تعلق سے اس لفظ اور عمل نے انتہائی تقدس کا درجہ حاصل کر لیا۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے[2] کہ اس کے بعد دین کو مکمل کیا گیا

۱؎ مشکوٰۃ المصابیح، بحوالہ بخاری و مسلم رح۔

۲؎ نوٹ از ایڈیٹر۔ ہجرت درحقیقت انقلابی عمل ہے۔ ایک خدا پرست شخصیت یا قوم ایک طرح کے ماحول کو اگر دعوتِ حق کو سازگار نہیں پاتی تو وہ نیا سازگار ماحول تلاش کرتی ہے جہاں نیکی کا پودا (باقی برصفحہ آئندہ)

اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔ اسی لیے اس واقعہ سے اسلامی کیلنڈر کی ابتدا کی گئی۔

ہجرت کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے اس عزم کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی رضا کے لیے وطن، املاک اور اعزہ و اقربا کی محبت کو قربان کر دینا اُن کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس ضمن میں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ ہجرت کے معنی یہ نہیں کہ سابقہ وطن کی محبت ہی اس کے دل سے ختم ہو جائے۔ وطن کی محبت جہاں آدمی پلا اور بڑھا ہو فطری ہے[1]۔ لیکن اس فطری جذبہ کو بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ کی راہ میں حائل نہ ہونے دیا جائے تو یہ کمال ہے۔ جس طرح کہ ماں باپ، اولاد اور مال کی محبت فطری ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ماں باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت مجھ سے نہ رکھے۔ اسی طرح گو وطن کی محبت فطری ہے لیکن مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے اس محبت کو بھی پس پشت ڈال دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے لیے گھر سے باہر نکلے تو کعبہ کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اے مکہ تو مجھ کو تمام دنیا سے عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔ حضرت بلالؓ کے متعلق بھی مذکور ہے کہ مکہ کی گلیوں اور وہاں کے پودوں اور درختوں کو یاد کرتے۔

جہاد

ہجرت کے بعد جہاد کی اصطلاح ہے۔ اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

پنپ سکے۔ ہجرت ایک طرح کے مانع تغیر حالات میں پڑے رہنے کے بجائے اُن کے گھیرے سے نکل کر ڈھیلے تو پیدا کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ یہ محض نقل مکانی کا نام نہیں ہے۔ بیشتر انبیاء نے اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر ہجرت کی ہے اور نسبتاً آزاد ماحول میں پہنچ کر جماعت کی تنظیم و تربیت کا کام مکمل کر کے جہاد کے مرحلے میں قدم رکھا ہے۔ ہجرت اکثر جہاد کا دیباچہ بنتی رہی ہے۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا) کسی سچے مہاجر کو سابق وطن سے جو محبت ہوتی ہے اُس کا بہترین مظہر یہ آرزو ہوتی ہے کہ متروکہ وطن میں بھی اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ (ایڈیٹر)

ایک گہرا تعلق ہے۔ جہاد کے معنی تو لغت میں کوشش کے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ساتھ اس کے تعلق کی وجہ سے اس کے معنی میں ایک خصوصیت پیدا ہوگئی وہ یہ کہ اصطلاحاً ہر کام کے لیے کوشش کرنے کو جہاد نہیں کہتے بلکہ جہاد صرف اس کوشش کا نام ہے جو دین کی سربلندی کے لیے اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے کی جائے۔ اس لحاظ سے ہجرت کی طرح یہ عمل بھی ایک مقدس عمل بن گیا اور اس لفظ نے بھی ایک تقدس حاصل کر لیا ہے، لیکن افسوس کہ مخالفین کی طرف سے اس عمل کی ایسی بھونڈی تصویر کشی کی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ عمل بھیانک اور کسی حد تک قابلِ نفرت سمجھا جانے لگا۔ جہاد کا یہ مفہوم ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی کہ جہاد صرف جنگ و جدال، قتل و غارتگری کا نام ہے۔ اور اس کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جنگیں پیش کی جاتی ہیں جو آپ کو مدینہ میں پیش آئیں۔ اس لحاظ سے مکی زندگی جہاد کی زندگی شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ اس دوران کوئی جنگ نہ ہوئی۔ حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ جہاد کا حکم مکہ ہی میں نازل ہو چکا تھا۔ وہ آیت یہ ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان - ۵۲)

(اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے۔ پس کافروں کی اطاعت مت کرو، اور اُن لوگوں کے ساتھ خوب جہاد کرو)

یہ آیت مکی ہے۔ اس لیے جہاد کو صرف مدنی زندگی سے متعلق کرنا صحیح نہیں ہوگا، بلکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی مکی زندگی بھی سرتاپا جہاد ہے۔ کیونکہ اگر مکی زندگی میں لوگوں کی کردار سازی کے لیے اور دلوں میں ایمان و یقینِ محکم پیدا کرنے کے لیے کوشش نہ کی جاتی تو نہ لوگ ہجرت کرتے اور نہ بدر و اُحد اور دیگر معرکوں کی نوبت آتی اور نہ فتح سے ہمکنار ہوتے۔ ہاں کوشش کی شکلیں مختلف ہیں۔ مکی زندگی میں کلمہ حق کو بلند کر کے ظلم و ستم اور مصائب برداشت کرنے کی تربیت دی جا رہی تھی، اور ساتھ ساتھ یہ بھی سکھایا جا رہا تھا کہ مظلومی کی زندگی میں اپنے دین و ایمان کو کس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے۔ خدا ہی کا خوف اور اسی سے اُمیدیں قائم کرنے کا تصور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و اطاعت اور آخرت میں جواب دہی کا یقین جو مسلمانوں کو حاصل ہوا وہ دراصل حضورؐ کی مکی دور ہی کی کوششوں

کا نتیجہ تھا۔

جہاد اور قتال (یعنی جنگ) میں فرق کرنا چاہیے۔ جہاد عام ہے اور قتال بمعنی جنگ، جہاد کی مختلف شکلوں میں سے ایک آخری شکل ہے۔ نہ تو ہر جنگ جہاد ہے اور نہ جہاد جنگ ہی میں منحصر ہے۔ بلکہ ہر وہ کوشش جہاد ہے جو اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے کی جائے۔ اور ان کوششوں میں جنگ کی نوبت بھی آتی ہے۔ اس لیے وہ جنگ بھی جہاد شمار ہوگی جو اللہ کی راہ میں کی جائے۔ جنگ کی شکل تو یکساں ہوتی ہے لیکن اس شکل کی یکسانیت کے باوجود نیتوں کے فرق کی وجہ سے اُن کے اثرات مختلف ہوتے ہیں، اُن کے احکام جُدا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک اللہ کی راہ میں لڑتا ہے تو دوسرا طاغوت کی راہ میں لڑتا ہے۔ چنانچہ دونوں کے کردار میں بیّن فرق ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑنے والا اپنے دشمنوں کی فصلوں کو تباہ نہیں کرتا، اُن کے سامان اور گھر بار کو نہیں لوٹتا، اُن کی عبادت گاہوں کو ہاتھ نہیں لگاتا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر تلوار نہیں اُٹھاتا۔ اُن کے مقتولوں کا مُثلہ نہیں کرتا۔ جوشِ انتقام میں اُن کے اعضا کاٹ کر نہیں چباتا۔ جنگ کے قیدیوں کو تکلیفیں نہیں دیتا، بلکہ جو خود کھاتا ہے وہی انہیں کھلاتا ہے، جو لوگ ہتھیار رکھ دیں اُن سے تعرض نہیں کرتا ہے، اور جو امان طلب کریں تو انہیں امان دے دیتا ہے، اور شہر میں فاتحانہ داخل ہو تو اکڑ فوں کے بغیر داخل ہوتا ہے اور اپنے مخالفین کو عام معافی دے دیتا ہے[1]۔ یہ ہے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والوں کے کردار کی ایک مختصر سی جھلک!

اس کی پوری تفصیل احادیث کی کتابوں میں ملتی ہے۔ اس کے برعکس طاغوت یا غیر اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والوں کا کردار کیا ہوتا ہے، اس کا نقشہ قرآن نے ایک آیت میں بہت ہی جامع طور پر کھینچا ہے کہ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً (النمل-۳۴) یعنی جب بادشاہ کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد مچاتے ہیں۔ اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

ہم سے شکوہ ہے کہ ہماری تاریخ خونی ہے۔ ہم جنگجو ہیں، ظالم ہیں، خونخوار اور وحشی ہیں۔

---

[1] بعض خاص قسم کے مجرمین کو سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ (ایڈیٹر)

لیکن امن کے ان جھوٹے نقیبوں سے کون کہے کہ اس صدی سے پہلے کی صدیوں کو تو جانے دو صرف اسی ایک صدی میں دو خونی جنگوں کی آگ بھڑک چکی ہے۔ جس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور ہیروشیما اور ناگاساکی اب تک سسک رہے ہیں۔ جان و مال کا جو نقصان ہوا وہ تم ہی کو معلوم ہوگا۔ اور حالات کے تیور تو بتا رہے ہیں کہ شاید اسی صدی میں تیسری جنگ کی آگ بھی بھڑکا دی جائے اور یقین ہے کہ اس آگ کے شعلوں سے نہ کوئی فاتح محفوظ رہے گا اور نہ مفتوح، بلکہ سب اس آگ میں بھسم ہو کر رہ جائیں گے۔ پھر ان جنگوں میں انسان اخلاقی طور پر وحشی اور درندہ ثابت ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تعلق سے جنگ امن و امان کا ذریعہ بنتی ہے، تباہی اور ہلاکت کا ذریعہ نہیں۔ اللہ کی رضا کے لیے جو جنگ کی جائے وہ مقدس بن جاتی ہے۔ اور اس راہ میں جان دینے والے کا رتبہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کو مُردہ کہنے کی ممانعت ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور یہ جنگ جہاد کی صرف ایک شاخ ہے۔ ورنہ ایک مسلم کی زندگی تو سراسر جہاد ہی ہوتی ہے کہ کبھی وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے، کبھی شیطان سے محفوظ رہنے کی کوشش میں مصروف ہے، کبھی کفار و مشرکین سے معرکہ آرائیوں میں لگا ہوا ہے، کبھی کسی کمزور اور مظلوم آبادی کی فریاد سن کر اُسے نجات دلانے کے لیے ظالم حکمرانوں سے ٹکر لیتا ہے، کبھی سلطانِ جابر کے سامنے تلوار کے زیرِ سایہ کلمۂ حق پکار رہا ہے، کبھی کسی ایمان دشمن اکثریت کی چیرہ دستیوں کے باوجود ثبات و استقلال سے اپنے دین پر قائم رہتا ہے اور جہاں موقع ملے غیروں کے تسلط سے نکلنے کی سعی کرتا ہے۔ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ ہجرت بھی جہاد ہی کی ایک قسم ہے۔